شعبوں میں تعاون کے لیے متعدد معاہدات پر دستخط کر چکے ہیں۔ تاہم معینہ وقت کے اندر اندر ان معاہدات پر عمل درآمد یقینی بنانے کے لیے بھی اقدامات ہونے چاہییں۔۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کی نئی راہوں کی دریافت کا عمل بھی جاری رہنا چاہیے۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد رونما ہونے والا نیا عالمی منظر نامہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پاکستان کو بڑی طاقتوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنے کے ساتھ ساتھ علاقائی ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات کے قیام پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ علاقائی حوالے سے اپنا اثرورسوخ بڑھانے کے لیے پاکستان کو ابتداء افغانستان سے کرنی چاہیے۔ افغان مسئلہ کا ایسا حل تلاش کیا جانا چاہیے جو علاقائی ممالک کے ساتھ ساتھ متحارب افغان گروہوں کے لیے بھی قابل قبول ہو۔ ہم نے معاہدہ اسلام آباد کی تکمیل میں کامیابی حاصل کی تھی جو نہ صرف سب افغان دھڑوں کے لیے قابل قبول تھا بلکہ یہ اس وقت تک پوری طرح نافذ رہا جب تک ربانی اور بعض دیگر دھڑوں نے اس کی حمایت سے کنارہ کشی کا اعلان نہیں کیا۔ ہمارے لیے بہترین لائحہ عمل یہ ہے کہ ہم علاقائی تعاون پر بھرپور توجہ دیں۔ ہمیں اندھا بن کر ایسی عالمی قوتوں کا آلہ کار نہیں رہنا چاہیے جو متعدد نازک مواقع پر ہمیں بارہا دھوکہ دیتی رہی ہیں۔

(ترجمہ محمد ارشد خان)

نقد و نظر

طارق جان

امام شامل: اسلامی تاریخ کا عظیم گوریلا جرنیل یہودی محقق کی نظر میں

نام کتاب : Muslim Resistance to The Tsar: Shamil and the Conquest of Chechnia and Daghestan.

مصنف : موشے گیمر

ناشر : Frank Cass Co. Ltd., London.

سال اشاعت : ۱۹۹۴ء

صفحات : ۴۵۲

امام شامل کون تھے؟ اُنہوں نے قفقازی مسلمانوں کی تاریخ میں کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کی یادیں آج بھی اہل قفقاز کا لہو گرما دیتی ہیں۔ بلاشبہ ان کی شخصیت کے بارے میں چند کتب

موجود ہیں لیکن ان سے اُس ہمہ گیر شخصیت کا پیکر نہیں ابھرتا جو زار شاہی روس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ جس سے عزم اور حوصلہ مندی کی سینکڑوں داستانیں وابستہ ہیں۔ جس نے اسلامی نظام حیات سے وفا کے تابناک چراغ روشن کیے۔ موشے گیمر کی کتاب Muslim Resistance to the Tsar--- اپنے موضوع سے پورا پورا انصاف کرتی دکھائی دیتی ہے۔

امام شامل ۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام علی تھا۔ وہ بچپن میں اتنے کمزور اور لاغر تھے کہ اگر اس وقت کوئی ان کے بارے میں یہ کہتا کہ وہ مستقبل میں ایک طاقتور فوجی اور سیاسی لیڈر یا عظیم المرتبت انسان بنیں گے تو اس امر کا امکان تھا کہ سو فیصدی لوگ اسے مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دیتے۔ ان کی مسلسل خراب رہنے والی صحت کو دیکھتے ہوئے ان کے والدین نے انہیں شامل کا نام دیا۔ ان کا خیال تھا کہ نام بدلنے سے ان کی صحت بہتر ہو جائے گی۔ اور پھر یہی ہوا۔ نہ صرف ان کی صحت بہتر ہوئی بلکہ ان کا قد چھ فٹ سے زیادہ لمبا ہو گیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں حد درجہ مضبوط اور سینہ کشادہ ہو گیا۔ جفاکشی اور کھیلوں سے رغبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ وہ اپنے وقت کے بہترین تلوار زن اور گھڑسوار مشہور ہوئے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے وہ شاندار کام لیا جس کے لیے ان کی ولادت مقصود تھی۔ وہ مسلسل ۲۵ سال تک زار روس کے خلاف انتہائی ناموافق حالات میں برسرپیکار رہے۔ ان کی ذات میں صوفی و مجاہد کا دلآویز امتزاج تھا جس کی وجہ سے وہ بیک وقت دلوں اور زمین پر حکمرانی کرتے تھے۔

لیکن اتنا عظیم الشان انسان آج تک تاریخ کے دبیز پردوں میں ملفوف رہا۔ یہاں تک کہ موشے گیمر (جو کہ یہودی نژاد ہیں) کی تحقیقی کاوشوں نے اُنہیں مسلمانانِ عالم سے پوری طرح روشناس کرا دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی حکمت آفرینی ہے کہ امام شامل کو بازیافت کرنے اور مسلم اُمّہ کو ان سے روشناس کرانے کے لیے اُنہوں نے ایک اسرائیلی کو چُنا تاکہ وہ حق تحقیق ادا کر کے مسلمانوں کو ان کی امانت لوٹا دے۔ وگرنہ ایک غیر مسلم کو ایک مسلمان مجاہد پر آخر لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

امام شامل کے ظہور کے لیے سٹیج تقریباً ڈیڑھ صدی سے سجایا جا رہا تھا۔ زار شاہی دور میں روسیوں نے سب سے پہلے اپنا تعلق چیچن اور داغستان سے قائم کیا۔ اُنہیں یہ علاقے اپنی سرسبزی اور شادابی کی وجہ سے پسند تھے۔ لیکن اُنہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ لوہے کے چنے ہیں جنہیں چبانے سے ان کے دانت ٹوٹ جائیں گے۔ چنانچہ وہ دیگر مغربی اقوام کی طرح تجارت کے بہانے علاقے میں وارد ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ نوآبادکار بنتے چلے گئے۔ چیچن اور داغستان کی تاریخ میں سال ۱۵۸۶ء کو ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس سال جارجیا کے بادشاہ الیگزینڈر دوئم نے شمخال پر حملہ کیا اور ۷۰۰۰ افراد پر مشتمل فوج سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ قفقازی مسلمانوں نے اُنہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ پھینکا۔ جب اس نے زارِ روس کو مدد کے لیے پکارا تو مسلم اُمّہ اس بیرونی جارحیت کے خلاف سد

سکندری بن گئی۔ عثمانیوں اور صفویوں نے روس کو للکارا جس سے روس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ یہ یقیناً ایک دلآویز تاریخی منظر تھا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی تھے ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھتے تھے اور امت اسلامیہ کی عزت و حرمت پر کٹ مرنے کے لیے تیار تھے۔ مسلم اُمّہ کے اس اتحاد اور یک جہتی ہی کی بدولت قفقاز کا مسلم خطہ ڈیڑھ صدی تک روسیوں اور ان کے حلیفوں کی تاراج سے محفوظ رہا۔ لیکن جونہی ۱۷۲۲ء میں افغانوں نے ایران پر حملہ کیا۔ روسی شہنشاہ پیٹر اعظم کو مسلمانوں کی وحدت کے کمزور پڑ جانے کا اشارہ مل گیا۔ چنانچہ وہ قفقاز پر ایک بڑے حملے کے لیے کمر بستہ ہوگیا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ بحیرۂ عرب کے گرم پانیوں تک پہنچنے کے لیے وسطی ایشیا کی طرف پیش قدمی سے قبل عثمانی ترکوں اور صفوی ایران کے زیر اثر قفقاز کے علاقوں پر قبضہ کر لے۔ تاکہ مستقبل میں ان دونوں کی ممکنہ مداخلت کا سد باب کیا جا سکے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قفقاز کا پہاڑی سلسلہ جو تقریباً ۱۱۰۰ کلومیٹر طویل ہے یورپ اور ایشیا میں حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

روسی داغستان کو شیطانی علاقہ کہتے تھے۔ کیونکہ بے شمار جنگلات اور دشوار گزار پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے روسی فوج کو اپنی مواصلات کی لائن کا تحفظ کرنا انتہائی مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ لیکن طبعی عوامل کے علاوہ داغستان میں کچھ اور بھی عوامل تھے جن کی وجہ سے روسی فوری نتائج حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ داغستانی علاقہ دشوار گذار ہونے کے باوجود ذہین انسانوں کی سرزمین تھی جن کا نظامِ زراعت اور آبپاشی حیرت انگیز ہنر مندی اور انسانی عزم و ہمت کی علامت تھا۔ اسلام نے انہیں آزادی کی دولت عطا کی تھی۔ ان میں جاگیرداری اور ملوکیت پسندانہ معاشروں کی برائیاں نہیں تھیں۔ ان کا حکمران جسے وہ قاضی کہتے تھے منتخب فرد ہوا کرتا تھا جو اہم معاملات سے متعلق فیصلے مشاورت سے کرتا تھا۔

داغستان مختلف آزاد اکائیوں پر مشتمل تھا جنھوں نے آپس میں کنفیڈریشن قائم کی ہوئی تھی۔ داغستانی قبائل طرزِ بود و باش میں مختلف تھے۔ بعض جگہ ایک ہی علاقہ میں ۳۰ سے زیادہ لسانی و ثقافتی گروہ تھے۔ لیکن اس تمام تر اختلاف کے باوجود ان کا تشخص اسلام تھا۔ جفاکشی اور آسائشوں سے مبرّا زندگی نے انہیں خطرناک دشمن بنا دیا تھا۔ اور یہ بھی اسلام ہی کا اعجاز تھا کہ ۲ لاکھ کی آبادی میں ۴۰ سے ۵۰ ہزار افراد لڑائی کے لیے ہمہ وقت تیاری کی حالت میں رہتے تھے۔

روسی حکمت عملی

روسی استعمار پسند قوم ہے اور قفقاز پر اُن کے تسلط کی داستان کا مطالعہ کرتے وقت ایک نو آبادیاتی قوم کی ذہنیت پوری طرح آشکار ہوتی نظر آتی ہے۔ استعمار خواہ جدید ہو یا قدیم، اپنے استعماری عزائم کی تکمیل کے لیے اس کے اقدامات یکسانگی کے حامل ہوتے ہیں۔ روسیوں نے قفقاز پر اپنا

تسلط جمانے کے لیے درج ذیل استعماری اقدامات کو اولیت دی:

• زرخیز زمین پر قبضہ: تاکہ چیچن اور داغستانی پہاڑوں میں محدود ہوجائیں اور انہیں خوراک آسانی سے نہ ملے۔

• مفتوحہ علاقوں میں روسی کوسکوں (Cossacks) کی آباد کاری: تاکہ مواصلات اور رسد کی لائنوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔

• روسی قفقاز کور کی ہر رجمنٹ کو مستقل علاقہ دیا گیا اور پھر انہیں اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا گیا جیسے وہ پورے خطّے کا محاصرہ کیے ہوئے ہوں۔ وہ اپنی خوراک خود پیدا کرتے تاکہ اپنی ضرورتوں میں خود کفیل رہیں۔

• سفاکی، بربریت اور خواتین کی عصمت دری۔

• شراب نوشی، جوا، زناء اور فحاشی کی ترویج: تاکہ مسلمانوں میں جہاد کے لیے سرگرمی نہ رہے۔

• اپنے ماتحت حکمرانوں کی تیاری جن کا کام روسیوں کے لیے اپنی رعایا میں احترام اور دبدبہ پیدا کرنا ہو۔ اغالار بیک حاکم غازی غومق اسی طرح کا حکمران تھا جو ہر وقت شراب میں ڈوبا رہتا۔ اس کی زندگی کا واحد مقصد اپنی مسلمان رعایا کو روسیوں کی اطاعت کے لیے تیار کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے انسانیت سوز مظالم کیے۔

• عیسائیت کا زبردست پرچار: روسیوں کا خیال تھا کہ جب تک قفقاز کے مسلمان عیسائی مذہب اختیار نہیں کرلیتے، یہاں روسی تسلّط کمزور رہے گا۔

۱۸۳۴ء میں جب، امام شامل تیسرے امام منتخب ہوئے، عالم اسلام سیاسی طور پر زوال کا شکار تھا۔ ایک طرف عثمانیوں اور قاچاریوں نے روسیوں سے شکست تسلیم کرلی تھی اور دوسری طرف قفقاز میں روسیوں نے اقوشہ، ترغو، سنچتولی اور خو نذاخ پر قبضہ کرلیا تھا۔ تیسری طرف خود قفقاز کے آوار حکمران روسیوں سے معاہدہ کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

باوجودیکہ امام شامل اپنے عہد کی مقبول ترین شخصیت تھے وہ اقتدار قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جب امامت انہیں پیش کی گئی تو اُنھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر حاضرین مجلس رونے لگے۔ وہ مسلمانان داغستان کی ضرورت تھے، اقتدار اُن کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس نے آگے چل کر ایک عظیم داستان حریت رقم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان کے سامنے ترجیحات کی ایک مختصر فہرست تھی۔ شریعت کا نفاذ ان کی اولین ترجیح تھی۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس پر عمل میں ہی مسلمانوں کی قوت کا راز تھا۔

دوم چونکہ داغستان کا علاقہ متعدد ولایتوں پر مشتمل تھا اس لیے یہ ضروری تھا کہ روس کے خلاف ایک موثر مزاحمتی قوت کی تعمیر و تشکیل سے قبل ان ولایتوں کو اتحاد کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ وہ نہیں

چاہتے تھے کہ مسلمان باہمی اختلافات کا شکار ہو کر اپنی قوت کمزور کر بیٹھیں۔ نہ ہی وہ روس کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ وہ اپنے زیر تسلط رقبہ کو وسعت دے کر روسیوں کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ شروع میں اُنھوں نے دوطرفہ حکمت عملی اختیار کی۔ ایک طرف روسیوں کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔ دوسری طرف مسلمان حکمرانوں کو یہ تاثر دیا کہ روسی ان کی پشت پر ہیں۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ انہیں کمزور سمجھ کر کہیں قفقازی ولایتوں کے مسلمان حکمران اُن پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ اور اس طرح روسیوں کے خلاف اس مجوزہ عظیم اتحاد کو جو کہ امام شامل کے ذہن میں تھا ابتداءہی میں حادثہ سے دوچار نہ کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے مسلمان حکمرانوں کو شریعت کے نفاذ کے لیے متحرک کرنا شروع کیا، تاکہ عوام الناس کی اخلاقی حالت کو اسلام کے مطلوبہ معیار پر لایا جاسکے۔

یہ اسی جذبہ و سوز دروں کا اعجاز تھا کہ خود روسی یہ تسلیم کرتے تھے کہ امام شامل نے قفقازی مسلمانوں کا اخلاق بلند و برتر کر دیا تھا۔ چونکہ وہ صاحب شریعت تھے، ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کا ذاتی کردار کسی طور پر بھی باعث ملامت نہ بنے۔ انصاف ان کا طرّہ امتیاز تھا اور ان کی اسلامی ریاست اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا عملی نمونہ تھی۔ یہاں تک کہ اقلیتیں بھی ان کے جذبہ ترحّم سے فیض یاب ہوتی تھیں۔ اس معاملہ میں وہ فی الواقع سچے کثرت پسند (pluralistic) تھے۔ عوام خواہ عیسائی ہوں یا یہودی، انہیں حق تھا کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ ان کے ۲۵ سالہ دور حکمرانی میں ایک بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ انہوں نے کسی کو زبردستی مسلمان کیا ہو۔ حالانکہ ان کے پاس روسی قیدی بھی تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جو بھاگ کر ان کی پناہ میں آ گئے تھے۔ وہ امیر المؤمنین تھے، عوام میں سے تھے اور عوام میں ہی رہتے تھے۔ لوگوں کی شکایات سننا اور ان شکایات کو رفع کرنا ان کی انتظامیہ کی اولین ترجیح تھی۔ وہ مقدمات کے فیصلے سرعت کے ساتھ کرتے تھے۔ عموماً موقعہ پر ہی فیصلہ سنا دیا جاتا تھا۔ غلامی اور بیگار کے خلاف تھے۔ انسان کی عزتِ نفس کا خیال کرنے والے اور محتاجوں کے والی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ روس جیسی عظیم قوت کے مقابلہ میں عوام کی تائید سے ۲۵ سال تک برسرپیکار رہے۔ وہ صلح جو انسان تھے لیکن روسیوں کے استعماری عزائم کی راہ میں سد سکندری بنے رہے۔ اس محاذ پر وہ کوئی کمزوری دکھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب کچھ چیچن باشندوں نے ان کی والدہ محترمہ کے ذریعہ روس کی بالادستی قبول کرنے کے لیے کہا تو وہ تین روز کے لیے گوشہ نشین ہو گئے۔ یہ ۱۸۴۳ء کا واقعہ ہے۔ جب وہ باہر نکلے تو انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں [خواب میں] حکم دیا ہے کہ جس نے روسیوں کے آگے سپر ڈالنے کے لیے سفارش کی ہے اسے ۱۰۰ درّے مارے جائیں۔ چنانچہ سزا کی تعمیل کرائی گئی۔ پانچ درّوں کے بعد جب اُن کی والدہ محترمہ بے ہوش ہو گئیں تو امام شامل دونوں زانوؤں پر حالت دعا میں گر گئے اور بڑی دیر تک گریہ وزاری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں حکم ملا کہ بقیہ سزا تم خود اٹھاؤ۔ چنانچہ ۹۵ دُرّے اپنے جسم پر کھائے۔ اس کے بعد

خوفزدہ چیچن حاضرین سے کہا کہ جاؤ اور اپنے لوگوں سے یہ واقعہ بیان کرو۔ ہمارے لیے روسیوں کے ہاتھوں شکست ناقابل قبول ہے۔

اتنا عظیم اور بے مثال شخص روسیوں کے خلاف کامیاب کیوں نہ ہوا؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ امام اس ناکامی کے ذمہ دار قطعاً نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ روسیوں کے خلاف خلافت عثمانیہ کی قوت و جلال، قاچاریوں کا کوہ شکن عزم اور قفقازی عوام کا حوصلہ اور جذبۂ جہاد اتحاد ثلاثہ کی شکل میں محاذ پر آ جائے۔ پندرہ سال تک وہ انتظار کرتے رہے، اپنی التجائیں بھیجتے رہے، لیکن عثمانیوں اور قاچاریوں نے قفقاز کے بطل جلیل کو اکیلا چھوڑ دیا۔ ۵ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو عثمانیوں کی طرف سے روس کے ساتھ جنگ کے باقاعدہ اعلان کے باوجود عثمانیوں نے روسیوں کے خلاف عملاً کوئی خاص پیش قدمی نہ کی۔ امام شامل تقریباً دس ماہ تک اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا انتظار کرتے رہے۔ پھر وہ شدلی کے مقام پر روسیوں پر قہر بن کر ٹوٹے اور وادی الاذان کو روند ڈالا۔ لیکن انہیں اب تاریخ کے جبر کا ادراک ہو چکا تھا۔ عثمانی روسیوں سے شکست کھا چکے تھے۔ وہ مایوسی کی حالت میں اپنے مسکن کی طرف لوٹ گئے تھے۔ لوگوں نے معرکۂ شدلی میں شامل کی افواج کی فتح کی خوشیاں منائیں، لیکن امام شامل غالباً اندر سے ٹوٹ چکے تھے۔ لوگوں کے خوش چہرے دیکھ کر انھوں نے کہا "یہ وہ خوشی ہے جس کے بعد آلام ہی آلام ہیں۔"

امام شامل روسیوں اور انگریزوں کی مخاصمت سے بھی باخبر تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے برطانیہ سے بھی روسیوں کے خلاف مدد کے حصول کے لیے رابطہ قائم کیا۔ لیکن روسیوں کے ساتھ دشمنی کے باوجود مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کا طرزِ عمل منفی ہی تھا۔ ان کے خیال میں امام شامل "ایک متشدد اور وحشی انسان تھے جن سے مناسب تعلقات کی امید رکھنا عبث ہوگا۔"

روسی اب اس پوزیشن میں تھے کہ امام شامل کی قیادت میں برپا قفقازی مسلمانوں کی تحریک مزاحمت کو بالآخر ختم کر دیں۔ ۱۹ اگست ۱۸۵۹ء تک وہ قفقاز کا تمام علاقہ اپنی تحویل میں لے چکے تھے۔ امام شامل نے اپنے کنبہ اور ۴۰۰ جانبازوں کے ساتھ غنیب کے پہاڑی سلسلہ میں پڑاؤ ڈالا۔ ۵ اور ۶ ستمبر کی شب روسیوں نے رات کے اندھیرے میں حملہ کیا اور امام شامل کو جا لیا۔ روسیوں کی خواہش تھی کہ اُنہیں ہر حال میں زندہ پکڑا جائے اور اس کے لیے وہ پورے گاؤں کو تاراج کرنے کے لیے تیار تھے۔ آج زار روس کی خواہش کی تکمیل کا دن تھا۔ امام شامل گرفتار کر لیے گئے۔ انہیں پیٹرز برگ لے جایا گیا۔ جہاں سے ۱۸۶۸ء میں کسی نہ کسی طرح وہ حج کے لیے چلے گئے اور ۱۸۷۱ء میں اپنے آقا و مولا کی سرزمین مدینہ میں خاک نشین ہو گئے۔

چھبیس ابواب پر مشتمل موشے گیمر کی کتاب میں ۱۳۷ صفحات تو صرف حواشی کے لیے مختص ہیں۔ ان کے مراجع میں کثیر حصہ روسی مصادر پر مشتمل ہے۔ معلومات اتنی جامع ہیں کہ تشنگی محسوس

نہیں ہوتی۔ گیمر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ نقشبندی اسلامی تحریک کے کوئی متشدد رویے نہیں تھے، اور یہ روسی استعمار کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی تھی۔ اس تحریک کی کوشش تھی کہ روس سے پرامن اور باعزت معاہدہ تکمیل پا جائے لیکن روسیوں کے عزائم کچھ اور تھے۔ گیمر روسی ذرائع کو یہ کہتے ہوئے نقل کرتے ہیں: "ان کے (مسلمانوں) اور ہمارے درمیان مکمل صلح اسی صورت میں ممکن ہے جب پہاڑوں اور وادیوں پر صلیب کی حکمرانی مستحکم ہو جائے اور نجات دہندہ مسیح کی عبادت گاہیں مساجد کی جگہ لے لیں۔ [وگرنہ] اس وقت تک قفقاز میں ہمارے اقتدار کی بنیاد اسلحہ کی طاقت ہوگی۔" (ص ٦٦)

امام شامل کی انتظامیہ کا ذکر کرتے ہوئے موشے گیمر لکھتا ہے کہ روسی اس امر کا اعتراف کرتے تھے کہ شامل کے ہسپتال اور طریقہ علاج اہل مغرب کے ہسپتالوں اور طریقۂ علاج سے بدرجہا بہتر تھے۔ مسلمانوں کے اسباب شکست کا احاطہ کرتے ہوئے گیمر لکھتا ہے کہ روسیوں کے بے پناہ مالی وسائل، توپ خانہ اور ان کی طرف سے قفقاز میں قحط جیسے حالات پیدا کرنا مسلم تحریک مزاحمت کی ناکامی کا باعث بنے۔ امام شامل کے خلاف روسیوں کو عددی برتری حاصل تھی اور آخری وقت انھوں نے ۲۰۰,۰۰۰ فوجیوں سے کام لیا۔ لیکن جس آخری تنکے نے اونٹ کی کمر توڑ دی وہ جنگ کریمیا اور اس سے پیدا شدہ پیرس کا معاہدہ امن تھا۔ اس نفسیاتی کیفیت کا اظہار تحریک مزاحمت کے آخری ایام میں امام کے ساتھ چیچن وفود کی بات چیت سے ہوتا ہے۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ اگر [عثمانی] سلطان، فرانس اور برطانیہ (جنھوں نے اُن سے بسیار وعدے وعید کیے تھے لیکن عملاً مدد نہیں کی) مل کر روس کو شکست نہیں دے سکے تو پھر وقت آگیا ہے کہ وہ بھی اپنی سلامتی کے بارے میں سوچیں۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ امام شامل کی تحریک مزاحمت کی ناکامی کے بعد قفقاز کے مسلمان تقریباً ڈیڑھ سو سال تک تاراج ہوتے رہے، اور سلامتی سے محروم رہے۔ چیچنیا کی حالیہ تاریخ شاید اسی تاریخی اغماض کی مظہر ہے۔